

عبیرہ احمد *

اردو غزل پر متصوفانہ تعلیمات کے اثرات (ولی دکنی تا اکبر الہ آبادی)

Abstract: A survey of Urdu ghazal from the period of Wali Dakhni to Akbar Allahabadi shows a strong and continuous presence of Sufi thought expressed through poetry. The ghazal written between this time frame of about two hundred years, reflects several important mystical concepts such as concealment of faults (pardahposhi), Effacement of the self (Nafs kushi), devotion to the spiritual guide, faith in blessings gained through service to sufi saints, withdrawal from worldly affairs, Sacred wonders of the sufi saints, spiritual authority (Tassarruf), and reliance in God (Tawakkul). These themes represent the teachings and practices of the Sufi tradition and demonstrate the deep connection between poetry and Sufism.

Many poets like Wali Dakhni, Siraj Orangabadi, Zahoor uddin Hatim, and Meer taqi Meer, Khawaja Haider Ali Atish, Bekhud Dehlvi, Mustafa Khan Shefta and Akbar Allahabadi skillfully incorporated these elements into their verses. For instance, Wali Dakhni referred to well known Sufi texts, while Shakir Naji mentioned the names of Sufi orders and eminent saints in his ghazal. This study examines and analyzes such selected verses in detail, highlighting both their thematic richness and artistic excellenc.

کلیدی الفاظ: اردو غزل، تصوف، توکل، صوفیانہ روایت، نفس کشی، خانقاہ، شیخ، سالک

ابتداء سے انیسویں صدی تک لکھی گئی اردو غزل کا جائزہ لیا جائے تو نظر آتا ہے کہ متصوفانہ مضامین کو شعر میں ڈھال لینے کی توفیق اور ملکہ اردو شعر کو بدرجہ اتم حاصل رہا اور غزل کی صنف میں ان متنوع مضامین کے لیے بہت کچھ گنجائش پیدا ہوئی۔ تصوف کی یہ آمیزش اردو شعر کے کلام میں بڑے فطری انداز میں ہوئی۔ شاذ ہی

* پوسٹ ڈاکٹریٹ ریسرچ فیلو (اردو) اور نیٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

کہیں تکلف یا التزام در آیا ہو گا۔ اردو شعرا کے اس مذاقِ طبع اور ذوقِ استعداد کا ذکر اکبر الہ آبادی (۱۸۳۶ء تا ۱۹۲۱ء) نے ذیل کے شعر میں یوں کیا ہے:

مادہ سب میں یہ ہو یہ اک خیالِ خام ہے
اک مذاقِ طبع ہے جس کا تصوف نام ہے^(۱)

سراج اور نگ آبادی ہوں یا میر تقی میر، ظہور الدین حاتم ہوں یا شاکر ناجی، خواجہ حیدر علی آتش ہوں یا بے خود دہلوی تصوف جیسے ان شعرا کو گھٹی میں ملا ہے، تخلیقی خمیر میں رچا بسا ہے۔ مجاز کے رنگ میں حقیقت کی آمیزش سے ان شعرا کے شعری اظہارات ایک امتیازی شان اور ارفعیت کو پہنچے ہیں۔ ستر ہویں سے انیسویں صدی تک تو شعرا کے تخلیقی مزاج پر یہ رنگ نہایت حاوی رہا۔ کیا کیا عمدہ اظہارات سامنے آئے! پردہ پوشی کی فضیلت، نفس کشی کی اہمیت، ریاضت و مجاہدہ سے کمایا ہوا تقرب الی اللہ، شیخ طریقت سے وابستگی، صحبت و خدمت کی برکات، اولیا اللہ سے خرقِ عادت کا ظہور، بزرگانِ دین کی دنیا داروں سے کنارہ کشی اور صاحبانِ اقتدار سے گریز یہ سب بنیادی طور پر ایسے مضامین ہیں جو تصوف کی تعلیمات و اثرات کے تحت معاشرے کے اجتماعی شعور میں سرایت کیے ہوئے ہیں۔ شاعر اپنے عہد کا نباض ہوتا ہے۔ اپنی انفرادیت اور تخصص کو قائم رکھتے ہوئے بھی غیر ممکن ہے کہ کوئی اہم شاعر عوامی مزاج سے نا آشنا ہو، معاشرتی قدروں سے انماض برتتے ہوئے کامیاب شاعر ٹھہرے، اپنے بلکہ اپنے سے ماقبل اور مابعد زمانوں کا بیک وقت مکین نہ ہو۔ اس پس منظر کے ساتھ اردو غزل میں متصوفانہ مضامین کی پیش کش ایک فطری عمل کا نتیجہ نظر آتی ہے۔ ذیل میں ایسے چند ایک متصوفانہ مضامین کا جائزہ لیا جا رہا ہے جو ستر ہویں سے انیسویں صدی تک اردو غزل میں تو اتر سے دُہرائے گئے ہیں:

پردہ پوشی اللہ کی صفت ہے۔ یہ معاشرتی زندگی کی ان عظیم اقدار میں سے ہے جن پر ایک صحت مند اور متوازن نظامِ زیست کا انحصار ہے۔ اس کی کئی ایک جہات ہیں۔ جیسے خود اپنے رازوں کا پردہ رکھنا، مخلوق خدا کی عیب پوشی، اپنے زہد و تقویٰ کو دوسروں کی نظر سے محفوظ رکھنا، مبادا مخلوق بر گزیدہ سمجھ کر امتیازی سلوک رکھنے لگے، وغیرہ۔ بہت سے صاحبِ کمال بزرگوں نے اپنے حال کو انخفا میں رکھنا پسند کیا ہے۔ روزِ حشر میں پردہ داری کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے نیک بندوں سے کیا ہے۔ پردہ پوشی کا مضمون اردو غزل میں کئی دل پذیر اشعار کی صورت بیان ہوا ہے۔ دبستانِ لکھنؤ کے ایک سربر آوردہ شاعر امام بخش ناسخ (۱۷۷۲ء تا ۱۸۳۸ء) کا ذیل کا شعر دیکھیے:

راز پوشی میں ہوا ناسخ مجھے ایسا کمال
یار بھی ہر گز نہ میرے عشق سے محرم ہوا^(۲)

نفس کشی کو بزرگوں نے تقرب الہی کا ذریعہ بتایا ہے۔ قرآن مجید کی سورہ شمس کی آیت نمبر ۹ میں اللہ نفس کی تطہیر کا مضمون بیان فرماتا ہے، ترجمہ دیکھیے:

"بے شک جس نے نفس کو پاک کر لیا وہ کامیاب ہو گیا۔" (۳)

یہی وجہ ہے کہ بزرگانِ دین ہر قسم کی لذات و شہوات اور نفسانی رغبتوں سے خود کو ڈور رکھتے ہیں۔ کئی اولیاء اللہ نے نفس کی خواہشات کی تطہیر کے لیے خود پر کڑی سے کڑی سزائیں از خود تفویض کی ہیں۔ شیوخِ طریقت کے زیر نگرانی کروائی جانے والی روحانی مشقیں اور خانقاہوں میں مبتدیوں سے ساتھی درویشوں کے لیے لی جانے والی خدمات، یہ سب بھی تزکیہ نفس کی ہی مختلف صورتیں ہیں۔ محمد مصطفیٰ خاں شیفیتہ (۱۸۰۹ء) کا یہ سادہ سا اثر انگیز شعر اسی مضمون کا ترجمان ہے:

دل کے ٹکڑے اڑا، نہیں ہے گناہ

نفس کو قتل کر، نہیں ہے قصاص (۴)

قصاص فقہ اسلامی کی ایک اصطلاح ہے جس کا مطلب شرع میں تو یہ ہے کہ مجرم کو وہی سزا دی جائے جو ظلم اس سے سرزد ہوا ہے۔ البتہ شاعر کا اِدّعا یہ ہے کہ اپنے نفس کی سرکشی کو دبانے کے لیے خود کردہ گناہ کی سزا دوگنا، چوگنا بھی ہو تو بجا ہے کہ یہ مستقبل میں سرزد ہونے والی کسی ممکنہ کوتاہی کی پیش بینی میں ایک تادہ ہی عمل ہے۔ ایک ایہام گو شاعر کے طور پر شعری سفر کا آغاز کرنے والے اور بعد ازاں اصلاح زبان کی طرف متوجہ ہونے والے پہلے دہلوی شاعر ظہور الدین حاتم (۱۶۹۹ء تا ۱۸۳۳ء) کا ذیل کا شعر بھی اسی فکر کا ترجمان ہے:

کام اس میں بڑا ہے، نفس کشی

ہوسکے تو عجب تماشا ہے (۵)

ریاضت و مجاہدہ، چلہ کشی، سبھ گردانی اور بے سود روحانی ریاضت کے مضامین بھی غزل میں تو اتر سے دہرائے جاتے رہنے کے باوصف آج بھی تازہ لگتے ہیں۔ اس کی وجہ شاید انسانی نفسیات میں چھپی ہوئی ہے۔ مادی و روحانی ضروریات کی کش مکش کم و بیش ہر انسان کا وجودی مسئلہ رہی ہے۔ انسانی معاشروں کا مطالعہ مذہب سے صرف نظر کرتے ہوئے غیر جانبداری سے بھی کیا جائے تو نظر آئے گا کہ انسان مادی زندگی کی بخشی ہوئی بے اعتبار مسرت سے بھاگ کر کسی پائیدار حقیقت کی طرف رجوع کرنا چاہتا ہے۔ اسلامی تاریخ میں مدتوں خانقاہیں اس ضرورت کی تسکین کرتی رہی ہیں۔ مصطفیٰ خاں شیفیتہ کا ایک شعر دیکھیے جس میں شاعر مسلم معاشرت کے اس درخشاں پہلو (یعنی خانقاہی نظام) کی برکات سے متعارف کروا رہا ہے:

ہم نے دیکھا ہے وہ صیقل کدہ اللہ اللہ!

کہ جہاں آئینہ دل سے کدورت کم ہو^(۶)

اگرچہ آج اس ادارے کے بے اعتبار ہونے سے یہ ضرورت انسان کا ایک عظیم حل طلب مسئلہ بن چکی ہے۔ ذیل میں میر تقی میر (۱۷۲۳ء تا ۱۸۱۰ء) کے اشعار میں انسان کی روحانی تشنگی اور مادی و روحانی ضروریات کی کش مکش نیز حصول مقصد میں ناکام، بے سود عبادات کو موضوع بنایا گیا ہے:

ہاتھ بے سبب نکل رہا نہ کبھو
دل کا منکا ولے پھرا نہ کبھو^(۷)

برسوں سے ہے تلاوت و سجادہ و نماز

پر میل دل جو سوئے مئے ناب تھا سو تھا^(۸)

عام زندگی کا مشاہدہ تو یہ کہتا ہے کہ عادات کسی بھی معمول کی تکرار سے پیدا ہوتی اور رفتہ رفتہ شخصیت کا حصہ بن جاتی ہیں۔ لیکن غور کیا جائے تو روزمرہ کار دنیا کے برعکس مذہبی معمولات پر مداومت زیادہ مشکل اور ریاضت طلب ہو ا کرتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے مذہبی معمولات کے مقابلے میں کشش رکھنے والے مہیجات بھی طاقت ور ہوتے ہیں اور اس کش مکش سے نبرد آزما ہونے میں شخصیت کو تقسیم در تقسیم کے عمل سے گزرنا پڑتا ہے۔ میر کے اکثر اشعار میں ذیلی موضوعات کی گنجائش بھی نکلتی ہے۔ ان اشعار کو انسانی نفسیات کے تناظر میں دیکھا جائے تو عادات کے اپنانے، ترک کرنے، شخصیت سازی میں عادات کا کردار الغرض کئی دلچسپ پہلو ان اشعار سے نکلتے ہیں۔

سراج اورنگ آبادی (۱۷۱۲ء تا ۱۷۶۳ء) نے چلہ نشینی کی مشق کا ذکر شعر میں لا کر صوفیہ کے اس عمل کو گویا دلیل فراہم کر دی ہے۔ چلہ یعنی بغرض عبادت چالیس دن رات کی خلوت اختیار کرنا جس میں دل کو ماسوا اللہ سے ہٹا کر اللہ کی طرف دھیان لگایا جاتا ہے۔ اس چہل روزہ اعتکاف کی بہت فضیلت بتائی گئی ہے۔ چلہ نشینی اختیاری خلوت ہوتے ہوئے بھی محض خلوت گزینی کا نام نہیں ہے، تنہائی ہمیشہ مخلوق سے اکراہ کے تحت اختیار نہیں کی جاتی۔ چلہ ایک سخت عبادت ہے جس میں وظیفہ خوانی اور شدید جسمانی مشقت اٹھانا پڑتی ہے۔ بزرگ اس کی حکمت یہ بتاتے ہیں کہ انسان کے احوال کے بدلنے میں چالیس دن کے دورانیے کی خاص تاثیر ہے۔ قرآن مجید کی سورہ اعراف سے بھی حضرت موسیٰ کے چالیس دن کے اعتکاف کی خبر ملتی ہے:

"اور ہم نے موسیٰ سے تیس شب کا وعدہ کیا اور دس شب کو ان تیس راتوں کا تمہ بنا دیا، سو ان کے پروردگار کی مقرر کردہ میعاد چالیس شب میں پوری ہوگئی۔" (۹)

مجاز کسی امر کی انجام دہی کے لیے نہایت دل جمعی کے ساتھ مستقل مصروف عمل ہو رہنے کو چلہ کشی کہہ دیا جاتا ہے۔ جیسے کہ سراج اور نگ آبادی کا ایک دلچسپ شعری اظہار یہ ہے:

خلقت (خلوت) میں تری زلف کے ہو چلہ نشیں دل
قرباں ہوا آخر کوں تجہ ابرو کی کماں کا (۱۰)

روحانی پیشواؤں کی خدمت و صحبت کی تاثیر بھی مسلم ہے۔ خانقاہی نظام کی بنیاد ہی صحبت شیخ پر ہے۔ خانقاہ پیر طریقت کے وجود پر استوار ہوتی ہے اور پیر ہی خانقاہ کا تعارف اور چہرہ ہوتا ہے۔ اردو غزل میں صحبت مرشد کی اہمیت ولی دکنی (۱۶۶۷ء تا ۱۷۰۷ء)، ظہور الدین حاتم (۱۶۹۹ء تا ۱۷۸۳ء)، شاکر ناجی (۱۶۹۰ء تا ۱۷۴۴ء)، میر تقی میر (۱۷۲۳ء تا ۱۸۱۰ء)، بیخود دہلوی (۱۸۶۳ء تا ۱۹۵۵ء)، اکبر الہ آبادی (۱۸۳۶ء تا ۱۹۲۱ء)، اور قائم چاند پوری (۱۷۲۲ء تا ۱۷۹۳ء) کے شعروں سے ہویدا ہے۔ اس ضمن میں پہلے ولی دکنی کا شعر ملاحظہ کیجیے:

مرشد کی منزلت کا اگر عزم جزم ہے
سایہ نمط تو پیر کے دائم دنبال چل (۱۱)

اب ظہور الدین حاتم کے مضمون سے متعلق کچھ اشعار دیکھیے:

قدم آکر پکڑ صاحب کمالوں کے کہ جس تس کو
جو کچھ حاصل ہوا سو عارف کامل کی صحبت میں (۱۲)

مریدوں میں وہی ہوتا ہے کامل
جو اپنے شیخ سے پاتا ہے تعلیم (۱۳)

بادشاہوں کو ہے گر تخت و چتر کا تکیہ
ہے فقیروں کے تئیں پیر کے در کا تکیہ (۱۴)

شاکر ناجی (۱۶۹۰ء تا ۱۷۴۴ء) کے ایک شعر میں بھی موضوع زیر بحث کی یوں ترجمانی ملتی ہے:

مزرع توحید سیں ناجی اسے دیتے ہیں پھل
صدق دل سیں روز و شب جو پیر کے دھوتا ہے پیر (۱۵)

میر تقی میر فرماتے ہیں:

بندے کو ان فقیروں میں گنیے نہ شہر کے
صاحب نے میرے مجھ کو دیا اعتبار اور^(۱۶)
نواب مصطفیٰ خاں شیفیتہ کا دل پذیر شعری اظہار دیکھیے:

عشاق سے نگاہ نہ رکھیو درلغ تم
پاتے ہیں لوگ خدمتِ اہل نظر سے فیض^(۱۷)
بہی مضمون اکبر الہ آبادی نے بھی بڑے پُر تمکین انداز میں پیش کیا ہے:

کام نکلے گا نہ اے دوست کتب خانوں سے
رہیے کچھ روز کسی محرم اسرار کے ساتھ^(۱۸)

صحبتِ شیخ کا مضمون کہیں کہیں قدرے مبہم انداز میں بھی ملتا ہے جیسے ذیل میں بیخود دہلوی کے یہاں
دیکھا جاسکتا ہے جہاں شیخ کے آستاں، مزار یا خانقاہ کو شیخ کے وجود کے قائم مقام دکھایا گیا ہے:
شرف ہے سجدہ کا حاصل اک آستاں سے ہمیں
ندا قبول کی آتی ہے آستاں سے ہمیں^(۱۹)

اس میں یہ نکتہ پنہاں ہے کہ شیخ کی عدم موجودگی یا وصال کی صورت میں ان سے وابستہ ہر ساکت و جامد
شے سے بھی حصولِ برکت کی امید رکھی جاتی اور جاسکتی ہے۔

اردو غزل میں جہاں صحبت کی اہمیت پہ بہت سے عمدہ اشعار ہیں وہیں مذمتِ شیخ میں کہے گئے اشعار کی بھی
کمی نہیں۔ علی الترتیب قائم چاند پوری اور بیخود دہلوی کے یہ شعری اظہارات دیکھیے جو مذہب بیزاری کی ایک دیرینہ
روایت کے تسلسل میں کہے گئے ہیں، نیز مذہب کی بنیاد پر انسان کے استخصال کی روش جو مدتِ مدید سے چلی آتی ہے
اسے ہدفِ تنقید بنایا گیا ہے:

گرایا شیخ نے چاہِ ضلالت میں مریدوں کو
تری اس رہبری سے تو عصائے کور بہتر تھا^(۲۰)

میں تو اے شیخ زماں خوب سمجھتا ہوں تجھے
تو مرے حسن ارادت کو بتا کیا سمجھا^(۲۱)

اردو میں ایسے اشعار بہر کیف بہت کم ہیں جن میں براہ راست کسی روحانی سلسلے کا نام لے کر اس سے وابستگی کا اقرار کیا گیا ہو۔ ایک مرید صادق دین و دنیا کے معاملات میں ہر قسم کی خیر و برکت کو اپنے مرشد و ہادی کا صدقہ سمجھ کر قبول کرتا ہے اور یہی حق ہے۔ اس پس منظر کے ساتھ شاکر ناجی کا خواجگانِ چشت سے یہ عاجزانہ اظہارِ نسبت اپنی طرز کا ایک نمائندہ شعر ہے:

دولتِ دنیا و دین سے پل میں کر ڈالیں نہال

لطف سیں چاہیں جسے ناجی شہنشاہانِ چشت (۲۲)

بعض اشعار میں شیخ طریقت کے نام کو پورے احترام کے ساتھ شعری متن کا جزو بنایا گیا ہے۔ ایسا شعر ظاہر ہے کہ فنی مہارت کا متقاضی تو ہے ہی، مزید توفیقات کا اثر بھی نمایاں ہے۔ شاکر ناجی کے شعر میں شاعر کے چشتیہ سلسلے کے شیخ طریقت حضورِ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے وسیلے سے روحانی نعمت طلب کرنے میں یہ رمز پنہاں ہے کہ مرید خواہ کتنی ہی ترقی کر جائے ہر حالت میں شیخ طریقت کے وجود کا مرہونِ منت رہتا ہے۔

قطبِ دین کے نام سیں ناجی کو نعمت دے الہ

بختیارِ فضل تیرا ایک ہے کاکی ہے یہ (۲۳)

یہی نیاز مندی ذیل کے شعر میں دیکھیے جہاں محبوب کے وصال کے شکرانے میں شاعر چشتیہ سلسلے کے عظیم پیشوا حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی نذر بانٹنے کا ارادہ کرتا ہے:

اگر ہوں کامیاب اس کے لبِ نوشیں سوں اے ناجی

تو بے شک نذرِ شکر گنج کی بانٹوں میں شیرینی (۲۴)

شعر میں صنعتِ مرعۃ النظر کے تحت مٹھاس کے مختلف پہلو لائے گئے ہیں۔ لبوں کی شیرینی حسن کلام کی طرف کنایہ ہو سکتا ہے تو بطورِ نذر بانٹی جانے والی شیرینی سے روحانی میراث کا آگے بڑھانا مراد لیا جاسکتا ہے۔ یعنی اگر محبوب کلام کرے، کچھ عطا فرمائے تو فیضِ رسانی کا سلسلہ چل نکلے۔

ولی دکنی کے بعض لاجواب اشعار ہیں جن میں چشتیہ سلسلے کی معروف کتب کے اسما کو متن میں لایا گیا ہے۔ فوائد الفواد حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات پر مشتمل، بقائے دوام کی حامل میر حسن غلا سجزیؒ کی مرتب کردہ بے حد اہم فارسی کتاب ہے جو آٹھویں صدی ہجری میں لکھی گئی۔ ولی دکنی کا شعر ملاحظہ کیجیے تو محبوب کے سخن کی مناسبت سے ملفوظات کی ایک شہرہ آفاق کتاب کا ذکر نہایت موزوں محسوس ہوتا ہے:

عالم میں ولی سخن یو تیرا

مجھ فائدہ فواد دستا (۲۵)

جو کلمہ محبوب کی زبان سے سرزد ہو محب کے لیے حکم کا درجہ رکھتا ہے، وہ اس کلام کے اعادے میں بھی لذت پاتا ہے اور افادے کا ہر پہلو اس گفتگو میں موجود پاتا ہے۔ ولی دکنی کے یہاں چھٹی صدی ہجری کے فارسی شاعر حکیم نظامی گنجوی کی شہرہ آفاق مثنوی "مخزن الاسرار" کا ذکر بھی اسی عقیدت و محبت سے ملتا ہے:

جو سنیا ترے دہن سوں یک بچن

بھید پایا نسخہ اسرار کا (۲۶)

ولی دکنی کے یہ دونوں اشعار لطف و کیف میں ایک دوسرے کو مات دیتے ہیں۔ تصور میں لایئے کہ حکیم نظامی گنجوی کی یہ طویل مثنوی جو حکمت و دانائی کے نکات سے بھرپور ہے، ولی کی نگاہ میں محبوب کا سخن بھی حکمت و دانش کے ایسے ہی خزانے کی کلید ہے۔

تصرف ایک روحانی اصطلاح ہے۔ قاضی عبدالکبیر منصور پوری لکھتے ہیں کہ "تصرفات سے اعجاز یا کرامتیں بھی مراد ہوتی ہیں۔ اس کے معنی قوتِ اشیائے عالم پر تصرف رکھنا بھی ہیں۔" (۲۷) تصرف کسی برتر روحانی شخصیت کی طرف سے کمتر وجود پر ایک مختصر میعاد کے روحانی غلبے کا نام بھی ہے۔ عالم تصرف میں متصرف سے بعض اوقات کوئی خدمت لے لی جاتی ہے۔ یہ تصرف خدا نخواستہ استحصال نہیں بلکہ متصرف کی صلاحیتوں میں ایک طرح سے اضافے اور برکت کا موجب ہوتا ہے۔

"سکینتہ الاولیا" میں لکھا ہے کہ:

"اولیا اللہ کا تصرف زندگی میں اور موت کے بعد یکساں ہوتا ہے۔ بلکہ مرنے کے بعد زیادہ

اور بہتر ہوتا ہے۔ توجہ اور تصرف اچھی طرح کر سکتے ہیں کیونکہ زندگی میں تو حجابِ بدنی بعض

چیزوں کے احوال پوشیدہ رکھتا ہے اور وفات کے بعد یہ حجاب بھی اٹھ جاتے ہیں اور ایسے

ہو جاتے ہیں جیسے تلوار یہاں سے سونت لی اور یہ یقینی بات ہے کہ غلاف میں رکھی ہوئی تلوار

سے سونتی ہوئی تلوار اچھی طرح کام کر سکتی ہے۔" (۲۸)

اردو غزل کی بات کی جائے تو میر تقی میر نے تصرف کے رموز کو خوب بیان کیا ہے:

یہ تصرف عشق کا ہے سب، وگرنہ ظرف کیا

ایک عالم دل سما یا خاطرِ ناشاد میں (۲۹)

میر کا شعر خود وضاحتی، بدیہی (Self explanatory) ہے۔ یوں تو خواجہ حیدر علی آتش (۱۷۷۸ء تا ۱۸۳۷ء) کے ایک شعر میں بھی یہ اصطلاح اپنی چھب دکھلاتی ہے لیکن میر کے شعر میں جو صراحت موجود ہے وہ آتش کے یہاں مفقود ہے۔ شعر اپنی جگہ عمدہ سہی، لفظ تصرف کے متصوفانہ معنوں سے نا آشنا قاری کے لیے معنی کا دریچہ نیم وا اور کم روشن ہی رہتا ہے، کھل کر پورا منظر پیش کرنے کا صر رہتا ہے۔ آتش کا شعر دیکھیے:

شغلِ تصرفِ آج کس اہل نظر کو ہے

ہر آئینہ سکندر و ہر جام جم ہوا (۳۰)

توکل سے مراد یہ ہے کہ خدا پر اعتماد رکھتے ہوئے کسی سے کچھ طلب نہ کیا جائے۔ اسی کو کار ساز سمجھا

جائے۔ سورہ احزاب کی آیت ۳ میں اللہ فرماتا ہے:

"اللہ پر بھروسہ کرو، کیونکہ اس کے سپرد جو کام کر دیا جائے وہ اس کے لیے کافی ہے۔" (۳۱)

خواجہ شاہ عبدالصمد اپنی کتاب "اصطلاحاتِ صوفیہ" میں اس کی تعریف میں لکھتے ہیں:

"توکل کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ اسبابِ ظاہری کی طرف بالکل متوجہ نہ ہونا بلکہ اسبابِ

ظاہری کو بالکل منقطع کر دینا اور ہر امر میں صرف ذات کی طرف متوجہ رہنا۔ یہ توکل خواص

اولیائے کرام کا ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ ظاہری اسباب کو استعمال تو کیا جائے لیکن بھروسہ

ذاتِ حق تعالیٰ ہی پر ہو۔ چنانچہ اس توکل کی طرف حضور اکرم ﷺ کے اس قول میں اشارہ

ہے۔ بر توکل زانوِ اشتر ببند اور خواص کے توکل کی مثال اصحابِ صفہ ہیں چنانچہ حضرت ابو

ہریرہ انھی میں سے تھے۔ آپ کا مشرب تھا کہ ایک پانی پاس رکھنی حرام ہے۔" (۳۲)

خواص کا یہی توکل ہے جسے اکبر الہ آبادی نے اپنے شعر کا موضوع بنایا ہے:

ہووے مطلوب جسے زادِ رہ منزل فقر

گرہ صبر میں وہ نقدِ توکل باندھے (۳۳)

اہل اقتدار سے کنارہ کشی بھی اولیا اللہ کا شعار ہے۔ اولیا اللہ کے صاحبان اقتدار کی صحبت اور حکومتی

عہدوں سے گریز کے متعدد شواہد ماضی کے تذکروں میں ملتے ہیں۔ بزرگانِ طریقت دنیا سے انقطاع اور حب و جاہ

کے حصول کی کوشش سے پرہیز کرتے ہیں۔ یہ اسباب و تعلقات جو دنیاوی زندگی کی کامیابی کی دلیل سمجھے جاتے ہیں

مرد فقیر کے قدموں کی بیڑیاں ہیں۔ تجاہلِ عارفانہ (Feigned Ignorance) اور طنزِ خفی (Subtle Irony)

لیے ہوئے نواب مصطفیٰ خاں شیفینہ کا شعر دیکھیے:

کیوں عار بزم شاہ سے کرتے ہیں اہل فقر
کچھ فرش بوریا سے تو کم پر نیاں نہیں^(۳۴)

کرامت، خرقِ عادت کا اولیا اللہ سے صدور ثابت ہے۔ کرامات سے مراد خلافِ عادت یا خلافِ قانون فطرت شے کا ظہور ہے۔ اولیا کی کرامات بھی انبیاء کے معجزات کی طرح رونما ہوتی ہیں، ایمان افروز اور من جانب اللہ ہوتی ہیں۔ عموماً محیر العقول شے کی جانب انسان بہت جلد متوجہ ہوتا ہے اسی لیے عوام الناس ان کرامات کو بے حد اہمیت دیتے ہیں۔ خود اولیا ان خوارقِ عادت کرامات کو چنداں قابلِ تذکرہ نہیں سمجھتے بلکہ اٹھائے حال پر زور دیتے ہیں، اور شریعت پہ کار بند رہنے کو ہی سب سے بڑی کرامت بتاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ توفیق بھی من جانب اللہ ہے۔ "سکینتہ الاولیا" سے ایک اقتباس کا ترجمہ دیکھیے:

"خوارقِ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک اختیاری دوسرے اضطراری۔ اختیاری اہم دعوت سے ظہور میں آتے ہیں جو کسی اسمِ الہی کو حصولِ مطلب کے لیے دعوت دیتے ہیں اور وہ بات اس اسم کی برکت سے پوری ہو جاتی ہے۔ اور اضطراری وہ ہے کہ بے اختیار کسی شخص سے ظاہر ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو۔"^(۳۵)

کرامات کا صدور بھی حکمت سے خالی نہیں تاہم انھی کو مقصود نہ سمجھ لینا چاہیے۔ اردو غزل میں اس موضوع پر بھی کئی اچھے اشعار ملتے ہیں۔ اٹھارہویں صدی سے تعلق رکھنے والے مابعد کلاسیکی شاعر احسن مارہروی (۱۸۷۶ء تا ۱۹۳۰ء) کا ذیل کا شعر دیکھیے:

اپنے پہلو میں تجھے دیکھ کے حیرت ہے مجھے
خرقِ عادت ہے ترا وعدہ وفا ہو جانا^(۳۶)

قرآن مجید کی سورۃ الانعام کی آیت ۳۷ میں اللہ فرماتا ہے:

"یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نبی پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اتاری گئی؟ کہو، اللہ تعالیٰ نشانی اتارنے کی پوری قدرت رکھتا ہے، مگر ان میں سے اکثر لوگ نادانی میں مبتلا ہیں۔"^(۳۷)

اب اسی مضمون سے متعلق سترہویں صدی کے دہلوی شاعر ناجی شاکر کا شعر ملاحظہ کیجیے کہ کس سلاست کے ساتھ قرآنی مضمون کو بعینہ پیش کیا ہے:

اہل دنیا معتقد نہیں جب تک دیکھیں نہ خرق
انبیاء کے قول کو بن معجزے کہتے تھے زرق^(۳۸)

داغ دہلوی کے شاگرد وحید العصر بجنود دہلوی (۱۸۶۳ء تا ۱۹۵۵ء) نے بھی اپنے ایک شعر میں کامل فلسفہ کرامات کو سمو کر رکھ دیا ہے۔ بجنود کا اعتقاد یہ ہے کہ کرامات عین حق ہیں اور اولیا کو اللہ سے انعام کی صورت ملتی ہیں۔

کرامت، خرقِ عادت، معجزہ کیا ہے؟ کرم تیرا

کرم تیرا جو ہو جائے تو پھر سب کچھ ہے انساں میں (۳۹)

یوں اردو غزل میں ولی سے اکبر الہ آبادی تک ایسے بہت سے اشعار ملتے ہی جن میں متعدد ایسے مضامین در آئے ہیں جو متصوفانہ تعلیمات کی شعری مزاجوں میں گہری آمیزش کا نتیجہ معلوم ہوتے ہیں۔ وہ پردہ پوشی ہو یا روحانی ریاضت، نفس کشی ہو یا مجاہدہ، خدمت و صحبت مرشد ہو یا اولیا کے تصرفات، توکل کی ضرورت و اہمیت ہو یا ظہور کرامات کا فلسفہ، ابتدا سے انیسویں صدی تک لکھی گئی اردو غزل ان صوفیانہ تصورات کے زیر اثر نہایت قیمتی عرفانی دانش سے مالا مال نظر آتی ہے۔

حوالہ جات:

- (۱) محمد زکریا، خواجہ: کلیات اکبر الہ آبادی (مدون)، (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۲۱ء)، ص ۵۸۵
- (۲) یونس جاوید: مرتب، کلیاتِ ناسخ، جلد اول، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۷ء)، ص ۲۱
- (۳) قَدْ أَفْلَحَ مَنْ رَزَّاهَا ○ القرآن: سورة الشمس: ۹
- (۴) فائق، کلب علی خاں: مرتب، کلیاتِ شیفیتہ، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۶ء)، ص ۵۱
- (۵) عبدالحق: مرتب، دیوانِ زادہ، (دہلی: نیشنل مشن فار میسو سکریٹس، اول، ۲۰۱۱ء)، ص ۲۸۷
- (۶) کلیاتِ شیفیتہ: ص ۱۰۹
- (۷) فائق، کلب علی خاں: مرتب، کلیاتِ میر، جلد چہارم، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۲ء)، ص ۲۵۶
- (۸) فائق، کلب علی خاں: مرتب، کلیاتِ میر، جلد سوم، ص ۶۸
- (۹) وَوَاعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتَمَمْنَاهَا بِعَشْرِ فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً
وَقَالَ مُوسَىٰ لِأَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ
الْمُفْسِدِينَ ○
القرآن، سورة الاعراف: ۱۴۲
- (۱۰) سراج اورنگ آبادی: کلیاتِ سراج، (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۱۹۸۲ء)، ص ۴۰۹
- (۱۱) نور الحسن ہاشمی: مرتب، کلیاتِ ولی دکنی، (لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۹ء)، ص ۱۷۱
- (۱۲) دیوانِ زادہ: ص ۲۳۶ (۱۳) ایضاً: ص ۲۲۵ (۱۴) ایضاً: ص ۲۷۶

- (۱۵) افتخار بیگم صدیقی: مرتب، دیوان شاکر ناجی، (نئی دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۸۹ء)، ص ۲۳۰
- (۱۶) کلیات میر، جلد چہارم (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۲ء)، ص ۹۷
- (۱۷) کلیات شیفیتہ: ص ۵۲
- (۱۸) کلیات اکبر الہ آبادی: ص ۱۵۶
- (۱۹) بیخود دہلوی: گفتار بیخود، (دہلی: علی گڑھ برقی پریس، ۱۹۳۸ء) ص ۱۷۴
- (۲۰) خورشید الاسلام، ڈاکٹر: مرتب، دیوان قائم (دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۶۳ء) ص ۱۵
- (۲۱) گفتار بیخود: ص ۳
- (۲۲) دیوان شاکر ناجی، ص ۱۸۸ (۲۳) ایضاً: ص ۳۱۳ (۲۴) ایضاً: ص ۳۶۱
- (۲۵) کلیات ولی دکنی: ص ۸۴ (۲۶) ایضاً: ص ۸۴
- (۲۷) عبد الکبیر منصور پوری، قاضی: فرہنگ اصطلاحات تصوف (لاہور، مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، ۲۰۱۱ء)، ص ۴۶
- (۲۸) محمد علی لطفی: مترجم، سکینتہ الاولیا (لاہور: سیونٹھ سکاٹی پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء) ص ۸۴
- (۲۹) کلیات میر، جلد اول: ص ۱۳۳
- (۳۰) کلیات آتش، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء) ص ۶۷
- (۳۱) وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ○ القرآن، سورۃ الاحزاب: ۳
- (۳۲) شاہ عبد الصمد، خواجہ: اصطلاحات صوفیہ (دہلی، دہلی پرنٹنگ ورکس، ۱۹۲۹ء)، ص ۳۲
- (۳۳) کلیات اکبر الہ آبادی: ص ۴۷۳
- (۳۴) کلیات شیفیتہ: ص ۸۹
- (۳۵) سکینتہ الاولیا: ص ۹۱
- (۳۶) احسن مارہروی: احسن الکلام (کراچی، مکتبہ تخلیق ادب، ۱۹۶۵ء)، ص ۶۲
- (۳۷) وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُنَزِّلَ آيَةً وَلَٰكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ○ القرآن، سورۃ الانعام: ۳۷
- (۳۸) دیوان شاکر ناجی: ص ۲۵۰
- (۳۹) گفتار بیخود: ص ۶۱